22 ۔ آدمی آدمی سے ملتا ہے

جگر مراد آبادی

شعر 1

آدمی آدمی سے ملتا ہے
دل مگر کم کسی سے ملتا ہے

مفہوم:

انسان انسان سے ملتا ہے لیکن قلبی لگاؤ کم کسی سے ہوتا ہے۔

تشریح:

جگر مراد آبادی کا شمار سر کردہ غزل گو شعرا میں ہوتا ہے غمِ دوراں اور غمِ جاناں پر مبنی جگر کے اشعار زندگی کی تلخیوں کے ترجمان بھی ہیں اور قلبی کیفیات کے عکاس بھی۔ تشریح طلب شعر میں انہوں نے انفرادی اور اجتماعی اعتبار سے دل کے کسی کسی سے لگنے کے فلسفے کو بیان کیا ہے۔ انسان کی معاشرتی زندگی بہت سے لوگوں سے تعلقات پر مبنی ہوتی ہے۔ مختلف مزاجوں، عمروں اور طبقوں کے افراد سے شخصی تعلق داری قائم ہوتی ہے لیکن قلبی لگاؤ کم ہی کسی سے استوار ہوتا ہے۔ دل کی پسند کے معیار پہ پورا اترنے والے افراد کم ہوتے ہیں۔ ہم خیال اور پسندیدہ افراد کی کمی کے باعث کم لوگوں سے دل لگی ہوتی ہے۔ امنگوں، جذبوں، خواہشوں کے اعتبار سے ہر کسی کا قلبی معیار پر پورا اترنا ممکن نہیں جہاں ہم آہنگی ہوگی وہیں دل وابستگی ہو سکتی ہے۔ شاعر گہری چوٹ کھائے ہوئے ہے۔ زخم خوردہ ہے۔ محبوب کی بے اعتنائی اور بے وفائی کے سبب دلی مطلع پر اداسی اور محرومی کے گہرے بادل چھائے ہیں۔ بے چینی اور مایوسی ہے۔ جب اندر کا موسم درست نہ ہو تو باہر کے معاملات پر اثرات پڑتے ہیں اسی لیے شاعر کا دل باہر نہیں لگ رہا۔

بھری دنیا میں جی نہیں لگتا
جانے کس چیز کی کمی ہے ابھی (ناصر کاظمی)

جگر کے اس شعر میں ایک اجتماعی مفہوم بھی پنہاں ہے۔ انسانوں کے درمیان ہم خیالی یکسوئی، الفت و محبت کا فقدان ہے۔ انسانی زندگی مزاجوں کے تضاد اور طبقوں کی تفریق کا دوسرا نام ہے۔ انسان انسانوں سے ملاقات کرتے ہیں، ایک جیسے جسم اور نقوش بھی رکھتے ہیں لیکن ان کی قلبی وابستگی نہیں ہوتی۔ دلوں کے درمیان بُعدِ شرق و غرب ہے رنگ و نسل، غربت و امارت مذہب و ملت کی وہ تفریق ہے کہ دل آپس میں جڑتے ہی نہیں۔

شعر 2

بھول جاتا ہوں میں ستم اس کے
وہ کچھ اس سادگی سے ملتا ہے

مفہوم:

وہ اتنی معصومیت سے ملتا ہے کہ میں اس کے ستم بھول جاتا ہوں۔

تشریح:

جگر مراد آبادی کا شمار سر کردہ غزل گو شعرا میں ہوتا ہے غمِ دوراں اور غمِ جاناں پر مبنی جگر کے اشعار زندگی کی تلخیوں کے ترجمان بھی ہیں اور قلبی کیفیات کے عکاس بھی۔ تشریح طلب شعر میں شاعر نے محبوب کی معصومانہ ادا اور سادہ روی کے سبب، اس کے ظلم و ستم کی فراموشی کا تذکرہ کیا ہے۔

محبوب کے ظلم و ستم کے باعث شاعر اندر ہی اندر دکھی ہے اور محبوب کے ستم کی یاد اس کے ذہن پر مسلسل ضرب لگاتی رہتی ہے لیکن جوں ہی محبوب سے ملاقات ہوتی ہے۔ محبوب اس معصومیت و سادہ روی سے ملتا ہے، گویا اس نے جان بوجھ کر اپنے محبؔ پر کوئی ظلم نہ کیا ہو۔ اور جو ظلم بھی شاعر پر ہوا، انجانے میں ہوا۔ حتّٰی کہ محبوب کا برتاؤ یوں ہوتا ہے گویا اس نے کچھ کیا ہی نہ ہو۔ شاعر جب محبوب کی یہ سادہ روی دیکھتا ہے تو اس کی سب زیادتیاں فراموش کر دیتا ہے۔

محبوب خواہ کتنا ہی ستمگر کیوں نہ ہو اس کی بے رخی اور بے اعتنائی پر محبؔ کتنا ہی برگشتہ کیوں نہ ہو۔ جب وہ سامنے آتا ہے تو اس کی ادائیں سب کچھ بھلا دیتی ہیں اس کی صورت، اس کی باتیں، اس کی ذات کسی اور طرف دھیان ہی جانے نہیں دیتی۔ شاعر کے ساتھ بھی یہی ہوتا ہے۔

اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا
لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

شعر 3

آج کیا بات ہے کہ پھولوں کا
رنگ، تیری ہنسی سے ملتا ہے

مفہوم:

آج کھلے پھولوں میں محبوب کی ہنسی کا رنگ موجود ہے۔

تشریح:

جگر مراد آبادی کا شمار سر کردہ غزل گو شعرا میں ہوتا ہے غمِ دوراں اور غمِ جاناں پر مبنی جگر کے اشعار زندگی کی تلخیوں کے ترجمان بھی ہیں اور قلبی کیفیات کے عکاس بھی۔ تشریح طلب شعر میں جگر محبوب کے حسن و جمال بالخصوص اس کے کھلے ہوئے پھولوں جیسی لافانی ہنسی کی توصیف بیان کر رہے ہیں کہ نہ جانے آج کیا بات ہے میرے محبوب کی ہنسی میں گل و گلزار سے مشابہت موجود ہے۔ یوں تو میرا محبوب حسن و جمال کا مرقع، پری وش اور پری پیکر ہے اس کی ہنسی بھی خوبصورتی کا شاہکار ہے اور اس کے ہنسنے سے کھلے پھولوں کی یاد آتی ہے۔

انگلی دبا کے دانت میں وہ مسکرا دیئے
بس اتنی سی بات نے طوفاں اٹھا دیے

محبوب محبت کا مرکز ہے اور محبؔ کے خواب و خیال کا محور ہے، محبوب کی ایک تیکھی نگاہ بے چین کر دیتی ہے تو اس کی ایک مسکراہٹ دل میں بہار کا سماں پیدا کر دیتی ہے۔ اس کی ایک ایک ادا توجہ کا مرکز ہوتی ہے۔ اس کی خوبصورتی قلب و نظر میں چھائی ہوتی ہے۔

دل اک مندر ہے، آپ مورت ہیں

آپ کتنے خوب صورت ہیں

اسی خوبصورتی کا ایک پہلو مسکراہٹ اور ہنسی بھی ہے۔ محبوب کی ہنسی لاثانی ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ آج گلہائے رنگارنگ کھلے دیکھے، پھولوں کی رعنائی اور دلفریبی دیکھی تو وہ اپنے پورے جوبن پہ تھے۔ اتنی اعلیٰ دلکشی میں اب تیری ہنسی جیسا رنگ ابھر آیا تھا۔ گویا محبوب کی ہنسی پھولوں سے بھی دلفریب ہے۔ آج کے کھلے پھول اپنی خوبصورتی میں بے مثال ہیں تب ہی ان میں تیری ہنسی کا سا عکس ہے۔ علامتی طور پر شاعر کا کہنا ہے کہ محبوب ہنسے تو دل میں بھی بہار آ جاتی ہے اور ارد گرد بھی پھول کھل اٹھتے ہیں، قلب و نظر سرشار ہو جاتے ہیں۔

کھلتی ہنسی نے سکھائی پھولوں کو دلکشی

غنائی قہقہوں نے سکھایا چٹکنا کیا چیز ہے

شعر 4

سلسلہ، فتنہ قیامت کا
تیری خوش قامتی سے ملتا ہے

مفہوم:

میرے محبوب کی قامت میں قیامت کی خوبصورتی ہے۔

تشریح:

جگر مراد آبادی کا شمار سرکردہ غزل گو شعرا میں ہوتا ہے غمِ دوراں اور غمِ جاناں پر مبنی جگر کے اشعار زندگی کی تلخیوں کے ترجمان بھی ہیں اور قلبی کیفیات کے عکاس بھی۔ تشریح طلب شعر میں شاعر محبوب کے خوبصورت اور متناسب قد کی توصیف بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ قیامت کے ہنگامے کے سارے سلسلے تیری حسین قامت سے جا ملتے ہیں، تیرا قد و قامت قیامت کی خوبصورتی کا حامل ہے۔ محبوب کے حسن و جمال کی دلفریبی شعرا کا پسندیدہ موضوع ہے۔ خوبی اور خوبصورتی اپنی تحسین خود کرواتی ہے۔ چنانچہ جگر بھی اپنے محبوب کے حسین سراپے کی رعنائی سے بے حد متاثر ہیں۔ اگرچہ قیامت کا دن بہت ہنگامہ خیز ہوگا۔ نفسا نفسی کا عالم ہوگا۔ خلق خدا بے حال ہوگی۔ کچھ سجھائی نہ دے گا۔ شاعر کے خیال میں محبوب کا دلفریب سراپا دیکھ کر قیامت کا سا تاثر ذہن میں پیدا ہوتا ہے۔ انسان بے خود اور حیرت زدہ رہ جاتا ہے۔ قلب و نظر اس جلوے کی تاب نہیں لا سکتے۔ دل و دماغ میں قیامت کا ہنگامہ پیدا ہوتا ہے۔ آنکھیں حیرت سے جمی رہ جاتی ہیں۔ ذہن اسی کی رعنائی پر ٹکا رہ جاتا ہے۔ وہ بے خودی طاری ہوتی ہے کہ ارد گرد کا ہوش نہیں رہتا یوں لگتا ہے کہ قیامت کا ہنگامہ یہی ہے۔

تیرے سرو قامت سے اک قدِ آدم

قیامت کے فتنے کو کم دیکھتے ہیں (غالبؔ)

قد و قامت کو شخصی وجاہت میں بہت اہمیت حاصل ہے۔ قامت خواہ جسمانی ہو یا عقلی، عزت کی ہو یا عمارت کی، ہمیشہ وقعت رکھتی ہے، اور تحسین کی حقدار ہوتی ہے۔ شخصی خوبصورتی میں پورا سراپا مل کر قد و قامت کو تشکیل دیتا ہے اور جاذب نظر بناتا ہے۔ چنانچہ قامتی وجاہت مرکزِ نگاہ بنا جاتی ہے وہ محبوب کے محبّ شاعر تحسین کے کلمات کہتے ہوئے پائے جاتے ہیں۔

ادھر دیکھو قیامت چلی آ رہی ہے

شعر 5

مل کے بھی جو کبھی نہیں ملتا

ٹوٹ کر دل اسی سے ملتا ہے

مفہوم:

محبوب کی بے رخی کے باوجود میرا دل اسی سے چاہت سے ملتا اور پیار کرتا ہے۔

تشریح:

جگر مراد آبادی کا شمار سر کردہ غزل گو شعرا میں ہوتا ہے غمِ دوراں اور غمِ جاناں پر مبنی جگر کے اشعار زندگی کی تلخیوں کے ترجمان بھی ہیں اور قلبی کیفیات کے عکاس بھی۔

تشریح طلب شعر میں جگر محبوب کی بے رخی اور بے اعتنائی کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ محبوب سے ملاقات تو ہوتی ہے لیکن اس کا ملنا اور نہ ملنا برابر ہے۔ محبوب چاہت سے نہیں ملتا بلکہ قلبی فاصلوں سے اور عام واقف کے سے انداز سے ملتا ہے۔

کون کہتا ہے ملاقات نہیں ہوتی

روز ملتے ہیں مگر بات نہیں ہوتی

محبوب دل کی رونق، آنکھوں کی ٹھنڈک اور خیالوں کا محور ہوتا ہے۔ محبّ کی خواہش ہوتی ہے کہ جواب میں بھی اسی طرح کی محبت حاصل ہو جیسی وہ محبت رکھتا ہے۔ لیکن یہ خواہش بعض اوقات نہ پورے ہونے والے ارمان بن کر رہ جاتی ہے چنانچہ جب فریق مخالف یعنی محبوب سے وہ التفات حاصل نہیں ہوتی تو اک بے قراری اور بے چینی محب کا مقدر بن کر رہ جاتی ہے۔ محبوب سے ملاقات ہو بھی تو اس میں محبت کی گرم جوشی نہ ہونے کے باعث تشنہ کام ملاقات ثابت ہوتی ہے۔

جب دل ہی نہ مل پائیں تو ملنے سے کیا حاصل

یوں تو صحرا بھی سمندر سے ملا کرتے ہیں

جگر احساس محرومی سے دوچار ہیں۔ وہ محبوب کو ٹوٹ کر چاہتے ہیں۔ وہ اپنی زندگی محبوب کے نام کر چکے ہیں۔ لیکن ان کی چاہت کی قدر نہیں اور اس کا محبوب پر کوئی اثر نہیں۔ وہ شکوہ کناں ہیں کہ ان کا محبوب ان سے دوری اور بے پروائی برتتا ہے، ملاقات ہو تو بھی نہ گرمی جذبات اور نہ ہی نظرِ التفات۔ وہ مل کر بھی نہ ملنے جیسا ہی ملتا ہے۔

ملنا تیرا نہیں آساں تو سہل ہے

دشوار تو یہی ہے کہ دشوار بھی نہیں

دوسرے زاویے سے دیکھا جائے تو شاعر نے اپنے دل کی بے بسی کا ذکر کیا ہے کہ یہ تو معلوم ہے محبوب سے محبت کا حصول ممکن نہیں لیکن پھر بھی دل اسے چاہنے سے باز نہیں آرہا۔ میں دل کے ہاتھوں بے بس ہوں۔ دوسری طرف اس میں اخلاص کا پہلو بھی ہے کہ محبوب کی بے رخی کے باوجود ہم اس سے ٹوٹ کر پیار کرتے ہیں۔

شعر 6

کاروبار جہاں سنورتے ہیں

ہوش جب بے خودی سے ملتا ہے

مفہوم:

عقل کے ساتھ جب جنون شامل ہو جائے تو زندگی کے معاملات سنورتے ہیں۔

تشریح:

جگر مراد آبادی کا شمار سرکردہ غزل گو شعرا میں ہوتا ہے غمِ دوراں اور غمِ جاناں پر مبنی جگر کے اشعار زندگی کی تلخیوں کے ترجمان بھی ہیں اور قلبی کیفیات کے عکاس بھی۔

تشریح طلب شعر میں وہ کامرانی کے حصول کے باریک نکتے اور آفاقی سچائی پر روشنی ڈالتے ہوئے کہتے ہیں کہ زندگی کا کوئی شعبہ ہی کیوں نہ ہو، عشق ہو یا معاملاتِ زمانہ، ہوش کے ساتھ بے خودی ملے تو کامیابی حاصل ہوتی ہے۔

ہوش والوں کو خبر کیا بے خودی کیا چیز ہے
عشق کیجیے پھر سمجھیے زندگی کیا چیز ہے

ہوش و خرد سے منصوبہ بندی کی جاتی ہے اور منزل کا تعین کیا جاتا ہے جبکہ جذبہ، ولولہ اور منزل کے حصول کی بے خودی حرکت و جدوجہد کی لیے مائل کرتی ہے۔ جذبہ محرکہ محنت و مشقت کا باعث بنتا ہے۔ جب ہوش اور بے خودی مل جائیں تو منزل مقصود تک رسائی یقینی ہو جاتی ہے۔ حتیٰ کہ خدا کی خوشنودی بھی بے انتہا لگن یا عشق لا محدود کی بے خودی کے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔ یہ نہ ہو تو عبادت میں حسن پیدا نہیں ہوتا۔

تیرا شوق اگر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حجاب میرا سجود بھی حجاب

عشق لا محدود کی بے خودی ہو تو پتھر کو موتی کی چمک عطا ہوتی ہے۔ تاج محل منصہ شہود پہ آتا ہے۔ آتش نمرود میں انسان کود پڑتا ہے اور زمانے سے ٹکرا کر اپنا مطلوب حاصل کر لیتا ہے۔ غم روزگار ہو تو ہوش و جذبہ مل کر اس معاملے کو سنوار دیتے ہیں اور غم محبت ہو تو یہ آگ کا دریا پار کروا دیتے ہیں۔ خون جگر کے بغیر سب نقش ناتمام ہیں اور سب نغمے بے کیف ہیں۔ یوں زندگی کے سارے کاروبار اور سارے معاملات ہوش کے ساتھ بے خود کر دینے والے جذبے کے مرہونِ منت ہیں۔

شعر 7

روح کو بھی مزا محبت کا
دل کی ہمسائیگی سے ملتا ہے

مفہوم:

روح بھی محبت کا کیف تبھی حاصل کر پاتی ہے جب اسے محبوب اور محبت سے مزین دل کا قرب حاصل ہو۔

تشریح:

جگر مراد آبادی کا شمار سر کردہ غزل گو شعرا میں ہوتا ہے غمِ دوراں اور غمِ جاناں پر مبنی جگر کے اشعار زندگی کی تلخیوں کے ترجمان بھی ہیں اور قلبی کیفیات کے عکاس بھی۔

تشریح طلب شعر میں جگر کہتے ہیں کہ روح کو بھی الفت و محبت کا سرور و کیف تبھی حاصل ہوتا ہے جب اسے محبوب کے حسن و عشق سے لبریز دل کا قرب اور ہمسائیگی حاصل ہو۔ شرط یہ ہے کہ دل کا موسم ٹھیک ہو غم کے بادل نہ چھائے ہوئے ہوں کوئی تلخ یاد یا چبھتی بات دل میں نہ ہو۔ دل مطمئن و مسرور ہو تو روح بھی قرار پائے گی۔ حدیث پاکؐ ہے۔

"جسم میں ایک خون کا لوتھڑا ہے جب وہ درست ہوتا ہے تو سارا جسم درست ہوتا ہے جب وہ درست نہ ہو تو سارا جسم خراب ہوتا ہے"۔

انسانی جسم خاکی وجود اور ابدی روح سے عبارت ہے۔ روح کے تمام کیف اور آزار جسمانی عمل کا نتیجہ ہیں۔ جسم وہی کرتا ہے جو اس کا مختار دل چاہتا ہے۔ مسرور ہونے کے لیے ضروری ہے کہ امنگیں اور خواہشیں تشنہ نہ ہوں۔ محبوب کی محبت نصیب ہو۔ دل باغ باغ ہو۔ دل میں گلہائے رنگا رنگ کھلے ہوں، بہار اپنے جوبن پر ہو تو روح مسرور و شادمان ہو گی۔ اگر دل میں ویرانی ہو تو روح تو روح ہے باہر بھی عین بہار میں خزاں محسوس ہوتی ہے۔

دل تو میرا اداس ہے ناصرؔ
شہر کیوں سائیں سائیں کرتا ہے

دل مرکزِ محبت بھی ہے اور روگ و سوگ کا مقام بھی۔ دل جذب و شوق کی آماجگاہ بھی ہے اور آہ و بکا کی جگہ بھی۔ یہ حاکم بھی ہے اور مجبور بھی۔ روح و جسم تو اس سے ہم آہنگ رہتے ہیں اس کے سب موسموں کا ساتھی رہتے ہیں۔ دل روئے تو ساتھ روتے ہیں دل ہنسے تو ساتھ شادمان ہوتے ہیں۔ دل کی شادمانی ہے محبت، کامیاب محبت نہ کہ عشق لاحاصل۔ محبت کی کامیابی محبوب کی مرہونِ منت ہے اور دل کی رونق محبوب کے دم قدم سے ہے جب اس کو دیکھنا ہو دل میں جھانکو روح کو مسرور و شاداں کر لو۔

دل کے آئینے میں ہے تصویرِ یار
جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی